AL-AHQAQ **Recognized by HEC in Y-Category**
https://ahqaq.com/index.php/Journal/issue/view/9 **ONLINE - ISSN- 3006-595X**
Volume.4, Issue.1 (2026) **PRINT - ISSN- 3006-5941**

عزیز احمد کے ناول ”ایسی بلندی ایسی پستی“ میں طبقاتی کشمکش کی عکاسی

The Depiction of Class conflict in Aziz Ahmad Novel "Aisi Bulandi Aisi pasti"

RUBINA
Lecturer, Govt. Girls Degree College, Sheikh Maltoon Mardan
Email. rubinafazal86@gmail.com

AJMAL KHAN
Lecturer, Department of Urdu, University of Swat
Email. ajmalkhanswat455@gmail.com

Dr. Nasreen Amin
Assistant Professor, Qurtuba University of Science and Information technology, Peshawar Campus. Email. nasreenamin616@gmail.com

Abstract

The writer is often referred to as the "eyes of society," observing the dynamics within a community and creatively translating them onto the page. Through literary expression, writers explore diverse themes and issues. Fictional literature, particularly, captures various social themes and reflects different aspects of life. Among these, the novel often addresses the conflicts and struggles between societal classes. One prominent figure in Urdu literature, Aziz Ahmad, vividly portrays of the depiction of class conflict in his works. His acclaimed novel *Aisi Bulandi, Aisi Pasti* explores the decline of the upper class of HaiderAbad Daccan following the partition of the Indian subcontinent. The novel also delves into the representation of different social classes. This research paper focuses on the theme of the depiction of class conflict in *Aisi Bulandi, Aisi Pasti*. The study aims to analyze how the novel reflects class conflict, which social classes are represented, and the author's perspective on these classes. Employing Qualitative research methodologies, the study concludes that Aziz Ahmad skillfully portrays the various social strata of his time. By highlighting the relationships and conflicts among these classes, he effectively examines the societal dynamics of his era. The paper further evaluates the characters' attitudes and traits across social classes, illuminating the strengths and weaknesses of the period. It critically assesses how successfully the author brings out the underlying conflicts between these classes.

Keywords:
Aziz Ahmad, class struggle, *Aisi Bulandi*, *Aisi Pasti*, Partition of India, representation of social classes.

ناول "ایسی بلندی ایسی پستی" میں حیدرآباد دکن کے جاگیر دار طبقہ کی گھناؤنی زندگی اور ان کی اخلاقی پستی کو بیان کرتے ہوئے اس طبقے کے زوال اور شکست وریخت کو موضوع بنایا گیا ہے۔ عزیز احمد نے اس معاشرے کے حالات و واقعات کو حقیقت پسندانہ انداز میں بیان کر کے ناول کو انجام تک پہنچایا ہے۔ ناول کے عنوان سے ہی ظاہر ہے کہ عزیز احمد نے اعلیٰ طبقے کی بلندی میں چھپی ہوئی پستی کو آشکار کیا ہے۔ اس طبقہ کی تہذیب صرف شراب نوشی، محفلوں میں ناچ گانا، انگریزی لباس اور بول چال کے استعمال تک محدود تھی۔ ڈاکٹر سہیل بخاری لکھتے ہیں:

"ایسی بلندی ایسی پستی اس دور کا پہلا اجتماعی ناول ہے اس میں مصنف نے حیدرآباد دکن کے طبقہ امراء کی معاشرت کا خاکہ پیش کیا ہے۔ جو مغربی تہذیب کی کورانہ تقلید سے پیدا ہوئی ہے جس میں رقص و سرور، مئے نوشی اور ہوس رانی جیسی جاگیرداری کی تمام لعنتیں موجود ہیں۔"(۱)

اس طبقے کی زندگی بلندی سے شروع ہو کر پستی کی جانب سفر کرتی ہے۔ عزیز احمد کا ناول ایسی بلندی ایسی پستی میں حیدرآباد کے زوال آمادہ معاشرے کی اثر انگیز تصویر کشی کی گئی ہے۔ عزیز احمد اپنے بچپن سے لے کر پروفیسر بننے تک حیدرآباد میں مقیم تھے۔ اس دور میں مختصر مدت کے لیے نظام حیدرآباد کی بہو کے سیکرٹری بھی رہ چکے تھے۔ اسی وجہ سے انہیں حیدرآباد دکن کے اونچے اور متوسط طبقے کو نزدیک سے دیکھنے کا موقع ملا، اسی سے فائدہ اٹھا کر ناول میں معاشرے کے طبقاتی کشمکش کو پیش کرنے میں انہوں نے صداقت سے کام لیا ہے۔ اس ناول میں مصنف نے آزادی سے قبل حیدر آباد دکن کے جاگیر دارانہ طبقے کی چھپی ہوئی پستیوں کو ابھارا ہے۔ یہ طبقہ معاشرے میں اپنی مصنوعی شان و شوکت اور جاہ و جلال کو قائم رکھنے کے لیے خود کو فریب میں رکھے ہوئے ہے اور معاشرے میں اپنی کھوئی ہوئی ساکھ اور وقار کو حاصل کرنے کے لئے سرگرداں ہے۔ حیدرآباد دکن کا معاشرہ خود ایک کردار کے روپ میں سامنے آتا ہے۔ اس ناول میں دوسری عالمی جنگ، حیدر آباد دکن کی سیاسی صورتحال، سرمایہ دارانہ نظام کا ظلم و جبر اور طبقاتی نظام کی خامیوں کو اجاگر کیا گیا ہے۔

اس معاشرت اور تہذیب میں عزیز احمد نے شادیوں کے تقاریب، دوستوں کی محفلیں، جاگیر دارانہ ماحول، متوسط طبقے کے حالات و واقعات، مزدور عوام کے ذریعہ معاش اور غریبوں کی حق تلفی کو پیش کیا ہے۔ ہندوستانی معاشرے کی جانچ پرکھ کی جائے تو پرانے زمانے سے ہی حسب نسب کی تقسیم موجود ہے۔ مصنف نے "ایسی بلندی ایسی پستی" میں چاہے امیر طبقہ ہو یا نچلا طبقہ ہو سب کا ذکر کیا ہے لیکن زیادہ توجہ متوسط پر مرکوز کی ہے۔ جس طرح حقیقی زندگی میں طبقاتی کشمکش چلتی رہتی ہے اسی طرح ناول "ایسی بلندی ایسی پستی" میں طبقاتی کشمکش کی عکاسی کی گئی ہے۔ عزیز احمد طبقاتی شعور رکھتے ہیں اس لیے مختلف طبقات کی زندگی کو ناول میں اجاگر کرتے ہیں۔ جس طرح اونچے طبقے کا ذکر کیا ہے بالکل اسی طرح متوسط طبقے کے خیالات کو بھی ظاہر کرتے ہیں۔

ناول نگار نے اس ناول میں طبقاتی نظام اور طبقاتی کشمکش کو پیش کیا ہے۔ اس ناول کے اکثر کرداروں کا تعلق جاگیر دار طبقہ سے ہے۔ ان کرداروں نے مغربی تہذیب کا لبادہ اس طرح سے اوڑھ رکھا ہے کہ یہ مغربی اور مشرقی تہذیب کا ملغوبہ نظر آتے ہیں۔ حسن عسکری نے ناول ایسی بلندی ایسی پستی کو اردو کا پہلا اجتماعی ناول کہا ہے۔(۲) جبکہ انور سدید اس ناول کے بارے میں فرماتے ہیں:

" یہ اجتماعی زندگی کی چھوٹی چھوٹی تصویروں سے مرتب ہوا ہے اور ایسے معاشرے کی عکاسی کرتا ہے جو روبہ زوال ہے۔"(۳)

عزیز احمد کا ناول ایسی بلندی ایسی پستی میں حیدر آباد کے زوال آمادہ معاشرے کی اثر انگیز تصویر کشی کی گئی ہے۔اس ناول میں مصنف نے آزادی سے قبل اس جاگیر دارانہ طبقے کی چھپی ہوئی پستیوں کو ابھارا ہے۔ یہ طبقہ معاشرے میں اپنی مصنوعی شان و شوکت اور جاہ و جلال کو قائم رکھنے کے لیے خود کو فریب میں رکھے ہوئے ہے اور معاشرے میں اپنی کھوئی ہوئی ساکھ اور وقار کو حاصل کرنے کے لئے سرگرداں ہے۔ حیدر آباد دکن کا معاشرہ خود ایک کردار کے روپ میں سامنے آتا ہے۔اس ناول میں دوسری عالمی جنگ، حیدر آباد دکن کی سیاسی صورتحال، سرمایہ دارانہ نظام کا ظلم و جبر اور طبقاتی نظام کی خامیوں کو اجاگر کیا گیا ہے۔ جاگیر دار طبقہ سے تعلق رکھنے والے کرداروں نے مغربی تہذیب کا لبادہ اس انداز سے اوڑھ رکھا ہے کہ انہیں کبھی زندگی کے بارے میں غور و خوص کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔اس ناول کا مرکزی کردار نور جہاں نیم مشرقی اور نیم مغربی تہذیب کا عکاس ہے۔ اعلیٰ طبقے کی عکاسی کے ساتھ ساتھ ناول نگار نے متوسط اور نچلے طبقے کی زندگی کی خصوصیات کی بھی عکاسی کی ہے۔ حقیقی زندگی کی مانند ناول میں بھی ان طبقات کا ایک دوسرے پر اثر دکھایا گیا ہے۔عزیز احمد نے اس دور کے مسلمانوں کے رہن سہن اور مسائل پر کافی غور و خوص کرنے کے بعد ان کی عادات کو بیان کیا ہے۔انھوں نے مسلمانوں کی تن آسانی اور سہل پسندی پر بھی گہرا طنز کیا ہے۔

یہ ناول تقسیم ہند کے وقت ۱۹۴۷ء میں لکھا گیا۔ برصغیر پاک و ہند کی تقسیم کے فسادات کے باعث ہر سو موت کا رقص جاری تھا۔ مگر فرخندہ نگر کے جاگیر دار طبقہ کو ملکی و سیاسی حالات سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ان کرداروں کو نہ کوئی سیاسی شعور ہے اور نہ مغرب کے اشتراکیت تصور کے حامی ہیں۔ بلکہ یہ کردار صرف رہن سہن اور بول چال کی حد تک مغرب کی تہذیب کی پیروی کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ جاگیر دار طبقہ مغرب کی تحریکوں کا اثر قبول کرنے سے قاصر ہے۔ گردوپیش کے قومی اور بین الاقوامی سیاسی حالات ان کو زوال کی جانب گامزن کیے ہوئے ہے۔ حیدر آباد دکن کے حکمرانوں کو اپنی عیاشیوں اور آرام و سکون میں اس قدر غرق دکھایا گیا ہے کہ یہ صرف اپنی ریاست ہی کو اپنی دنیا سمجھتے ہیں اور باہر کی دنیا کے حالات سے انہیں کوئی سروکار نہیں۔ یہ اعلیٰ طبقہ متوسط اور نچلے طبقے کو نہ سیاست میں حصہ لینے کی اجازت دیتا ہے اور نہ ظلم و جبر کے خلاف آواز اٹھانے کی۔

ناول نگار نے اس ناول میں تقسیم کے متعلق اعلیٰ طبقے کی سوچ کی عکاسی کرتے ہوئے دکھایا ہے کہ تقسیم کے موقع پر نواب آرائش جنگ سیاسی حالات سے بے خبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے برج کھیلنے میں مصروف تھے۔

"کیا ہوا۔" دیوان بہادر نے ان بیوقوفوں میں سے ایک سے پوچھا جو ہال سے ریڈیو سنتے سنتے باہر آگیا تھا۔

"تقسیم کٹا پھٹا پاکستان"

"بنگال اور پنجاب بھی تقسیم ہو گئے۔" ایک اور نے اطلاع دی۔

"چلو اچھا ہوا" دیوان بہادر نے اطمینان سے کہا اور پھر اپنے پتوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ "نو بڈ۔"

پھر برج ہوتا رہا۔

"لاہور کدھر گیا" کسی نے کسی اور سے پوچھا۔

"فی الحال تو ادھر ہی مگر اصلی تصفیہ حدود کا کمیشن کرے گا۔" کسی نے کسی کو جواب دیا۔

برج ہوتا رہا۔ لاہور کہیں جائے۔ چاہے جتنی تقسیم ہو دیوان بہادر اور آرائش جنگ کو معلوم تھا کہ نظم و نسق انہیں کے ہاتھ میں رہے گا۔ آخر کار وہی بلائے جائیں گے۔"(۴)

مندرجہ بالا اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان نوابین کی کیا سوچ تھی، چاہے تقسیم جیسی بھی ہو اس ملک کا نظام انہی کے ہاتھ میں رہے گا اور چاہے کتنے ہی فسادات کیوں نہ ہو جائے ان کی جاگیر دارانہ ساکھ اور شان و شوکت پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔

"اس سیزن میں فرقہ واری فضا اتنی خراب تھی کہ سیورائے کا فیشن ایبل لاؤنج بھی متاثر تھا۔ نواب آرائش جنگ کسی قسم کی سیاسی رائے دینا نہیں چاہتے تھے۔

"نواب صاحب آپ کا وطن کیا ہے؟" سریندر نے پوچھا۔

"۔ فورہارٹس۔"

"نوبڈِ۔"

"نو۔"

"نو۔"

"جی میرا وطن فرخندہ نگر ہے۔" نواب آرائش جنگ نے بلآخر بڑی تمکنت سے جواب دیا۔"(۵)

ان کی اس گفتگو سے، ان کی ملکی، عوامی اور سیاسی مسائل سے بے حسی، خود غرضی پر روشنی پڑتی ہے۔

عزیز احمد نے کانگریس اور مسلم لیگ کے وجود پر بھی روشنی ڈالتے ہوئے بیان کیا ہے کہ یہ دونوں پارٹیاں انہی جاگیر دار طبقے کے ذہن کی کارفرمائی ہے۔ یہ جاگیر دار اور سرمایہ دار مایہ دار طبقہ اپنے مخصوص مفادات کی تکمیل کے لیے اپنی مطلوبہ جماعت کی حمایت کرتا ہے۔ کیونکہ ان جماعتوں کی لگام اس اعلیٰ طبقے کے ہاتھ میں ہی رہتی ہے اور یہ متوسط اور نچلے طبقے کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ عزیز احمد نے دونوں جماعتوں میں سے کسی بھی جماعت کی حمایت نہیں بلکہ ان کے پس پردہ حقائق کو غیر جانبدار ہو کر بیان کیا ہے۔

" سیاست کے پیچھے تو سرمایہ ہے تم سمجھتے ہو کہ کانگریس کے پیچھے برلا اور ڈالمیا کی طاقت نہیں یا مسلمانوں کی جماعت مسلم لیگی جو جو دن بدن زور پکڑتی جارہی ہیں اس کے پیچھے یو۔ پی اور پنجاب کے زمین دار نہیں۔"(۶)

ایسی بلندی ایسی پستی میں تقسیم کے المیے کو پیش کرتے ہوئے جاگیر دار طبقے کے رویئے کی عکاسی کی ہے۔ تقسیم سے اس طبقے پر کسی قسم کا کوئی فرق نہیں پڑا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ تقسیم جیسی بھی ہو، نظم و نسق انہی کے ہاتھ میں رہے گا۔ مصنف نے سریندر کے ذریعے اپنے نقطہ نظر کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے:

" ہندوستان اور پاکستان دونوں ڈومینین ۔ واللہ کیا حل نکالا ہے! کلکتے سے لاہور تک فسادات ہوتے رہیں مگر ہندوستان کا بادشاہ پاکستان کے بادشاہ سے جنگ نہیں کرے گا۔ جناح اور نہرو بڑے عقلمند ہیں، نہ یہ دہلی میں تخت نشین ہوں گے اور نہ وہ لاہور میں۔"(۷)

عزیز احمد نے اپنے ناول میں اعلیٰ اور متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے کرداروں کے ذریعہ اپنے ہی وطن حیدرآباد کی تہذیب و

معاشرت کو پیش کیا ہے۔ ناول میں ناول نگار نے اعلیٰ متوسط اور نچلے طبقے سے تعلق رکھنے والے تمام کرداروں کے ذریعے ناول کا خاکہ ترتیب دیا ہے۔ اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھنے والے کرداروں میں قابل یار جنگ، آرائش جنگ، سنجر بیگ، خورشید زمانی بیگم، نیازی، محمود شوکت، نور جہاں، سر تاج، مشہور النساء، ابوالہاشم انجینئر، حیدر محی الدین وغیرہ شامل ہیں۔ یہ تمام کردار مشرقی ہونے کے باوجود مغربی تہذیب کا خول خود پر چڑھائے ہوئے ہیں۔ یعنی فرخندہ نگر کی تہذیب نہ مشرقی ہے نہ مغربی۔ اس جاگیر دار طبقہ نے مغربی تہذیب کا اثر صرف رہن سہن اور چال چلن کا اختیار کیا ،یعنی عورتوں کا مردوں کی محفل میں شراب نوشی، تاش کھیلنا، رقص کرنا، مغربی طرز کے لباس پہننا، مردوں کا بھی مغربی رنگ میں رکھے ہوئے ہونا، مکانات کی تعمیر مغربی طرز پر کروانا اور اپنے رہن سہن میں مغربی انداز اپنانا، یہ تمام امور مغربی تہذیب کے اثر کو جاگیر دار طبقے پر واضح کرتے ہیں۔ یہاں کی نوجوان نسل عیاشیوں اور فحاشی میں ڈوبی نظر آتی ہے۔

"پھر ہندوستانی اپنے آقاؤں سے دو ہاتھ آگے نکل گئے۔ پہلے انہوں نے رقص گاہوں پر قبضہ کیا۔ ہوٹلوں میں چھڑی گھما کر چلنے کے انداز میں، انگریزی سوٹوں کی طرح تراش میں، رمبا ناچ میں، پہاڑ پر عورتوں سے عشق بازی کرتے اور اپنی عورتوں کو ناچ اور عشق بازی سکھانے میں اپنے آقاؤں سے کہیں آگے بڑھ گئے۔ ایک فرانسیسی پروفیسر نے مال پر سرینڈر سے کہا تھا: "موسیو، ہندوستانی تو یہ عام طور پر ذرا نچلے طبقے کے فرنگیوں کی نقل کرتے ہیں۔"(۸)

اس ناول کے مرکزی کردار نور جہاں اور سلطان حسین کی ازدواجی زندگی کی پیچیدگیوں اور مسائل کو پیش کر کے ناول نگار نے اعلیٰ طبقے کی ذہنی پستیوں کو ابھارا ہے۔ یہ کردار اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود بھی مار پیٹ، گالم گلوچ اور عیاشیوں سے باز نہیں آتے۔ نیازی اور محمود شوکت کے کرداروں کا مزدورنیوں کو اٹھا لے جانا اور فحاشی میں سر تا پا ڈوبے ہوئے ہونا، ان سب کے ذریعے عزیز احمد نے ان کی ذہنی اور اخلاقی پستی کو دکھایا ہے۔ عزیز احمد ناول میں جاگیر دار معاشرے کی عارضی آن بان، آداب و اطوار اور مشرقی و مغربی تہذیب کے ٹکراؤ کو بھی بیان کیا ہے۔ یہ ناول اپنے موضوع اور مواد کے لحاظ سے تاریخی دستاویز معلوم ہوتا ہے۔

"وہ زمانہ بھی تو ایسا تھا کہ انگریزوں کی ہر بات ہر رسم، ہر ریت یا تو بے حد اچھی تھی یا بے حد بری۔ یا تو مہذب ہونا تھا یا کرشتان ہونا، تلک اور گوکھلے تو خیر منظر عام پر آچکے تھے۔ لیکن ابھی کسی نے گاندھی کا نام بھی نہ سنا تھا۔ اس زمانے میں تہذیب کے معنی تھے، کنگ ایڈورڈ کے عہد کے سوٹ، عورتوں کے لئے فراکیں، آس ٹنگ، کبھی کبھی شراب، بیر، کموڈ، بنگلہ۔"(۹)

مغربی تہذیب ہی کی اندھی تقلید کی وجہ سے یہ طبقہ زوال پذیر ہوا۔ اس طبقے سے تعلق رکھنے والے تمام کردار مغربی تہذیب کی تقلید میں دوڑے چلے جاتے ہیں۔ اس ناول کے آغاز میں قابل جنگ مغربی تہذیب کا حامل کردار ہے۔ مس اسکر د سے دوسری شادی کرتا ہے۔ خورشید زمانی بیگم ابتدا سے ہی مشرقی و مغربی تہذیب کے سنگم کے طور پر سامنے آتی ہیں۔ خورشید زمانی بیگم اپنی شادی میں روایتی مشرقی دلہنوں کی طرح نہیں بیٹھیں بلکہ مہمانوں کی خاطر مدارت کرتی نظر آتی ہیں۔ زمانی بیگم نے کافی شوخ طبیعت پائی تھی، وہ زندگی کی رنگارنگی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھی اور اپنی بیٹیوں کو بھی اپنے ساتھ شامل کرتی تھی۔

"خورشید زمانی بیگم کے نزدیک زندگی اس وقت تک بے معنی اور بے مصرف تھی جب تک اس میں امارت کی خوبونہ

آئے۔ جب تک ہر معاملے میں جاگیر داروں کی نقل نہ کی جائے۔ زندگی کا حاصل کیا تھا جب تک حکومت کرنے کا موقع نہ ملے ہم چشموں میں سب سے اونچا مقام نہ ہو زندگی کا فائدہ ہی کیا تھا۔"(۱۰)

مغرب کی اندھی تقلید کرتے ہوئے اس ناول میں مخلوط ڈانس پارٹیوں، کلبوں میں شراب نوشی اور محفلوں کا ذکر ہے۔ جس میں ناول کے تقریباً تمام کردار مغربی تہذیب کا لبادہ اوڑھے شرکت کرتے نظر آتے ہیں اور خود کو اعلیٰ تہذیب کا پروردہ ثابت کرتے ہیں۔ مغربی تہذیب کی اندھی تقلید کی بنا پر یہ جاگیر دار طبقہ بے شمار مسائل کا شکار نظر آتا ہے۔ جیسے کہ سلطان اور نورجہاں کے مابین خلع، جلیس کا غیر مسلم کے ساتھ بھاگ جانا، کہکشاں اور سروری کا دوسرے مردوں کے ساتھ ناجائز تعلقات، نیازی اور محمود شوکت کا مزدور خواتین پر بری نظر رکھنا۔ جس کی بنا پر اس معاشرے میں اخلاقی بیماریاں عام تھیں۔ اس طبقے کی ظاہری زندگی تو دنیا کے لیے قابلِ رشک تھی لیکن عزیز احمد نے اس طبقے کی باطنی زندگی کو بھی عیاں کیا ہے۔ خلیل الرحمن اعظمی لکھتے ہیں:

" ایسی بلندی ایسی پستی" جاگیر دارانہ نظام کی داستان ہے جو زوال آمادہ ہے جس کی زندگی اندر سے کھوکھلی ہو چکی ہے۔ یہ ناول دکن کے ماحول کو پیش کرتا ہے اور ان کے خاندانوں کی گھریلو اور معاشرتی زندگی کی سطحیت اور انحطاط کو بے نقاب کرتا ہے۔ جو بظاہر سوسائٹی میں علم وادب اور اخلاق و تہذیب کے وارث سمجھے جاتے ہیں۔"(۱۱)

یہ طبقہ مغربی تہذیب سے اس قدر متاثر ہے کہ ان کا نہ کوئی طرزِ فکر ہے اور نہ کوئی معیارِ زندگی۔

سلطان حسین کا کردار جو کہ متوسط تعلق رکھتا ہے لیکن نورجہاں سے شادی کے بعد اعلیٰ طبقے میں شمار کیا جاتا ہے۔ متوسط طبقہ سے اعلیٰ طبقے تک کا سفر طے کرتے ہوئے یہ کردار بھی عیاشی اور فحاشی کا شکار نظر آتا ہے۔ جوئے بازی، تاش کھیلنا، خواتین کے ساتھ تعلقات، کثرت مئے نوشی اس کی فطرت ثانیہ بن چکی ہے۔ جس طرح اونچے طبقے کا ذکر کیا ہے بالکل اسی طرح متوسط طبقے کے خیالات کو بھی ظاہر کرتے ہیں۔ ناول میں ایک کردار سریندر جو کہ متوسط طبقے سے تعلق رکھتا ہے۔ متوسط طبقے کے بارے میں کہتا ہے:

"مجھے اپنے طبقہ پر ناز ہے۔ متوسط طبقے پر جہاں بغیر طبقوں والی سوسائٹی ہو گی۔ روس نہ تم گئے ہو نہ میں، لیکن جہاں طبقے ہیں وہاں کوئی طبقہ ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اعلیٰ طبقہ بھی اسی طرح ہماری نقل کرتا ہے جسے ادنیٰ طبقہ۔ وہ اس طرح کے علوم وفنون سب کی رہنمائی ہمارے ہاتھ میں ہے۔ ہم ایجادیں کرتے ہیں۔ ہم کتابیں لکھتے ہیں۔ ہم فنونِ لطیفہ کے بانی اور پھیلانے والے ہیں۔(۱۲)

ناول نگار نے اس ناول میں طبقاتی نظام اور طبقاتی کشمکش کو پیش کیا ہے۔ عزیز احمد نے سریندر کے کردار کو متوسط طبقے کے نمائندے کے طور پر پیش کیا ہے۔ یہ سلطان حسین کا دوست اور عزیز احمد کا ہمزاد ہے۔ یہ کردار اپنے قرب وجوار کے ماحول سے بے زار ہے اور فلسفیانہ نقطہ نظر کا حامل ہے۔ یہ اپنی گفتگو کے ذریعے متوسط طبقے کو بہتر ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

"ہم ایجادیں کرتے ہیں ہم کتابیں لکھتے ہیں ہم فنون لطیفہ کے بانی اور پھیلانے والے ہیں ہم ان عمارتوں کے نقشے بناتے ہیں جن میں آپ کے راجے مہاراجے رہتے ہیں۔"

"مگر مزدور ان عمارتوں کو بناتے ہیں۔"

"بے شک بے شک محنت مزدوروں کی ہوتی ہے مگر دماغ ہمارا____ ریڈیو ہی کو دیکھو یہ بھی متوسط طبقے کا ایک تحفہ ہے اس نے اعلیٰ طبقے کو اخبارات پڑھنے کی زحمت سے اور مہاراجاؤں کے سکریٹریوں کو خبروں کے خلاصے لکھنے کی زحمت سے بے نیاز کر دیا ہے۔"

"اور ریڈیو کے ذریعہ ہم نے ادنیٰ طبقہ کی وابستگی کا بھی کتنا سامان فراہم کر دیا ہے۔ پہلے شراب تھی، تاڑی تھی اب مزدور چائے خانے میں بیٹھا ہے اور ریڈیو چل رہا ہے۔"(۱۳)

سریندر کے مطابق متوسط طبقہ دونوں طبقات کے لیے لازم ہے۔ اعلیٰ طبقے کی شان و شوکت اور آرام و سکون کے لیے متوسط طبقہ کار فرما رہتا ہے اور نچلے طبقے کی تفریح کے ذرائع بھی متوسط طبقہ کے مرہون منت ہیں۔ سریندر کے مطابق معاشرے کے بحرانوں کا مقابلہ متوسط طبقہ ہی بہتر طور پر کر سکتا ہے کیونکہ اعلیٰ طبقہ اپنی ذات اور عیاشیوں میں مگن ہے جبکہ نچلا طبقہ صرف جسمانی مزدوری کر سکتا ہے اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفقود ہو چکی ہے۔ سریندر کا خیال یہ بھی ہے کہ دنیا کے تمام فلسفے متوسط طبقہ کے ہی مرہون منت ہیں۔ عزیز احمد نے سریندر کے ذریعے جہاں متوسط طبقہ کو ابھارا ہے وہیں پر ان کے احساس کمتری کو بھی نمایاں کیا ہے۔

"یہ ہماری بڑی کمزوری ہے ہم راجاؤں مہاراجاؤں کے خلاف کتابیں لکھتے ہیں، مضامین لکھتے ہیں، آپس میں باتیں کرتے ہیں لیکن ذرا کسی مہاراج کے پاس سے چائے کی دعوت آ جائے۔ سگے بھائی کو مرتا چھوڑ کر ضرور جائیں گے۔"(۱۴)

اس ناول کے کردار سریندر کے ذریعہ ناول نگار نے اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کی ہے۔ ناول میں سریندر کے ذریعے جاگیردارانہ نظام کی خامیاں، ترقی پسند تحریک، متوسط طبقے کی بیداری، محنت کشوں کے مسائل کو بیان کیا ہے۔

"سلطان حسین نے پھر سے معلوم نہیں کیوں اس بحث کو زندہ کرنا چاہا جو وہسکی کے نشے کے ساتھ یا کلہڑی بازار کے اس طرف کے اتار کی طرح اتار کے عالم میں تھی۔ بھئی سیاسات وغیرہ کے متعلق میں زیادہ نہیں جانتا مگر میرے خیال میں اشتراکی یہ جو کہتے ہیں نا کہ سوسائٹی طبقات کے بغیر ہونی چاہئے، مجھے تو یہی ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔"

"یہاں کون بھڑوا انکار کر رہا ہے" سریندر نے جلدی سے بات کاٹ کر کہا۔ "میں خود ہی کہتا ہوں تم جانتے ہو دنیا بھر سے اشتراکی لٹریچر منگاتا اور پڑھتا ہوں۔ یار میں تو موجودہ سوسائٹی کی بات کر رہا ہوں جہاں طبقے ہیں۔ وہاں میری ہمدردی تو مزدور طبقے کے ساتھ ہے۔ لیکن میں صرف متوسط کی چالاکی، ذہانت، ایجاد، سلیقے، آئیڈیلزم، ان کی تجربہ کاری کی تعریف کر رہا تھا۔"(۱۵)

اعلیٰ اور متوسط طبقہ کی نمائندگی کے ساتھ ساتھ عزیز احمد مزدور طبقہ کو بھی سامنے لاتے ہیں کہ کس طرح اعلیٰ طبقہ ان کا استحصال کرتا ہے۔

"وڈروں کے علاوہ اور کئی طرح کے مزدور تھے۔ وہیٹر، پاروہی، لمباڑے، لمباڑنیاں، تبتی، اور کشمیری قسم کا لباس۔ بے شمار چوڑیاں، لمبے لمبے لہنگوں پر بے شمار کانچ کے ٹکڑے یا پتھر ٹانکے، اپنے خدوخال میں اب بھی جابجا منگول آثار دکھاتی ہوئی۔ اپنے کام میں مصروف تھی اور مستریوں اور داروغوں کے کام آ رہی تھیں۔"(۱۶)

خورشید زمانی بیگم اپنے بیٹوں کے لئے لڑکیاں خرید کر منگوائیں عزیز احمد نے اسے حرم کی بدلی ہوئی صورت قرار دیا۔

"جب صدیق نگر میں قحط پڑا تو وہ اسے تین چھوکریاں بارہ چودہ سال کے خورشید زمانی بیگم نے خرید کر منگوائیں۔ ان میں سے ایک کا نام انہوں نے سنبل رکھا۔ دوسری کا گلنار اور تیسری کا سدابہار۔"(۱۷)

اعلیٰ طبقے کے لیے نچلا طبقہ صرف آرام اور سہولت پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ اعلی طبقہ نچلے طبقہ کے مالک مختار ہونے کی آڑ میں ان کے ہر طرح کے استحصال میں ملوث ہے۔ مصنف نے اپنے ناول میں کسی بھی فرد، معاشرے یا کسی بھی طبقے کی حمایت نہیں کی بلکہ وہ اس عہد میں موجود منافرت, مفاہمت, کشیدگی اور خامیوں کو ابھارا ہے۔ عزیز احمد نے سریندر کے کردار کے ذریعے اپنے خیالات کی عکاسی کی ہے۔ سریندر اعلیٰ طبقے کے برعکس متوسط طبقے کو بہتر ثابت کرنے کے لیے اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے۔ وہیں متواسط طبقے کے دوغلے پن کا بھی اظہار کیا ہے:

" میں نے مہاراجہ مان سرور سے اس روز یہ کہا کہ ہم لوگ آپ کو تہذیب سکھا دیتے ہیں۔ آپ کو دل میں اپنے آپ سے کمتر سمجھتے ہیں۔ آپ کے خلاف لوگوں کو بغاوت پر اکساتے ہیں لیکن آپ سے ملنا، بات چیت کرنا آپ کی پارٹی میں شریک ہونا، اپنے لئے بڑی عزت کا موجب سمجھتے ہیں۔"(۱۸)

عزیز احمد نے اس ناول میں کسی بھی طبقے یا فرد کو اپنے پسندیدہ کردار کے طور پر پیش نہیں کیا بلکہ انہوں نے ان کے کرداروں کے ذریعے اپنے فلسفیانہ خیالات کی عکاسی کی ہے۔ انہیں معاشرے کے طبقاتی نظام سے نفرت ہے۔ وہ بغیر طبقات والی سوسائٹی دیکھنے کے خواہاں نظر آتے ہیں۔

سلیمان اطہر جاوید کے مطابق:

"بظاہر سارے کردار آسودہ اور مطمئن محسوس ہوتے ہیں۔ آرام دہ اور پرسکون زندگی گزارتے ہیں لیکن ہر ایک کا اپنا غم ہے۔ ہر ایک کا دل جلتا ہے ہر ایک کی روح بحران سے دوچار ہے۔ سچ پوچھئے تو یہ معاشرہ ہی ایسا تھا۔"(۱۹)

ان تمام کرداروں کے ذریعے عزیز احمد نے حیدر آباد دکن کی جاگیر دارانہ نظام کی تہذیب و تمدن کا جیتا جاگتا نمونہ پیش کیا ہے۔ ناول نگار نے "ایسی بلندی ایسی پستی" میں طبقاتی کشمکش کو پیش کیا ہے۔ اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھنے والے تمام کردار مشرقی ہونے کے باوجود مغربی تہذیب کے دلدادہ نظر آتے ہیں۔ ان کی نوجوان نسل اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوتے ہوئے بھی عیاشیوں میں ڈوب کر اخلاقی اقدار کی پامالی کرتی ہے۔ عزیز احمد نے ہر طبقے کا ذکر کرکے زندگی کی بھرپور عکاسی کی ہے۔انہوں نے سریندر کے ذریعے متوسط طبقے کو اچھا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ متوسط طبقہ باقی دونوں اعلیٰ وادنیٰ طبقوں کے لیے لازم وملزوم ہے۔ اعلیٰ طبقے کی شان وشوکت اور آرام وسکون اور نچلے طبقے کے تفریح کے ذرائع متوسط طبقے کی ہی مرہون منت ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ عزیز احمد نے متوسط طبقہ کے احساس کمتری کو بھی نمایاں کیا ہے۔ متوسط طبقہ ایجادیں کرتا ہے، کتابیں لکھتا ہے، دنیا کے تمام فلسفے متوسط طبقہ کے ذہن کی کارفرمائی ہے، لیکن متوسط طبقہ کی سب سے بڑی کمزوری پیسہ ہے۔ دولت اور عزت کی خاطر متوسط طبقے کے دہرے رویے پر طنز بھی کیا گیا ہے۔ امیر طبقے کی سیاست کے پیچھے متوسط طبقے کی عقل ودانائی کام کرتی ہے اور ادنیٰ طبقے کی خوشی ومسرت متوسط طبقے ہی کے ذریعے ہے۔ چونکہ سوچ بچار اور کچھ کر کے دکھانے کا حوصلہ متوسط طبقہ میں ہی پایا جاتا ہے۔ یوں تو متوسط طبقہ معاشرتی کشمکش میں ایک اچھا کردار ادا کرتا ہے لیکن متوسط طبقہ

برائیوں سے پاک بھی نہیں ہے۔چالاکی،ذہانت،ایجادیں،سلیقے یہ صرف متوسط طبقوں کی تجربہ کاری ہے۔اعلیٰ اور متوسط طبقے کی نمائندگی کے علاوہ عزیز احمد نے مزدور طبقہ کو بھی پیش کیا ہے۔ناول نگار کے نزدیک نچلا طبقہ،اعلیٰ طبقے کو آرام اور سہولت پہنچانے کا ذریعہ ہے۔اور اعلیٰ طبقہ،نچلے طبقے کا مالک و مختار ہونے کی آڑ میں ان کے ہر طرح کے استحصال میں ملوث ہے۔عزیز احمد نے اس ناول میں کسی بھی طبقے یا فرد کو اپنے پسندیدہ کردار کے طور پر پیش نہیں کیا بلکہ انہوں نے ان کے کرداروں کے ذریعے اپنے فلسفیانہ خیالات کی عکاسی کی ہے۔ انہیں معاشرے کے طبقاتی نظام سے نفرت ہے۔وہ بغیر طبقات والی سوسائٹی دیکھنے کے خواہاں نظر آتے ہیں۔

حوالہ جات

۱: سہیل بخاری،اُردو ناول نگاری،مکتبہ جدید،لاہور،۱۹۶۰ء،ص۔۱۹۵

۲: حسن عسکری،اردو ادب،شمارہ نمبر ۲،لاہور،۱۹۴۹ء،ص۔۶۱

۳: انور سدید،نیرنگ خیال،راولپنڈی،جلد ۵۹،شمارہ ۶۵۸۔۱۹۸۲،۶۵۹ء،ص۔۲۷

۴: عزیز احمد،ایسی بلندی ایسی پستی،علم و عرفان پبلشرز،لاہور،۲۰۰۲ء،ص-۷۹

۵: ایضاً،ص۔۷۹

۶: ایضاً،ص۔۹۱

۷: ایضاً،ص۔۸۱

۸: ایضاً،ص۔۹۴

۹: ایضاً،ص۔۱۳۰

۱۰: ایضاً،ص۔۲۸

۱۱: خلیل الرحمن اعظمی،اُردو میں ترقی پسند ادبی تحریک،ایجوکیشنل بک ہاؤس،علی گڑھ،۲۰۰۲ء،ص۔۲۱۳

۱۲: عزیز احمد،ایسی بلندی ایسی پستی،ص۔۱۲۳

۱۳: ایضاً،ص۔۹۱

۱۴: ایضاً،ص۔۹۲

۱۵: ایضاً،ص۔۹۲

۱۶: ایضاً،ص۔۹۸

۱۷: ایضاً،ص۔۹۹

۱۸: ایضاً،ص۔۹۲

۱۹: سلیمان اطہر جاوید،پروفیسر،عزیز احمد کی ناول نگاری،ماڈرن پبلشنگ ہاؤس،نئی دہلی،۱۹۸۶ء،ص۔۵۵۴